غلام ربانی تاباںؔ

ذوقِ سفر

SHASTRI INDO...

PK 2200 R2Z18 Rabbani, Ghulam
Zauq-i safar

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

ذوقِ سفر

Rabbani, Ghulam

Zauq-i Safar

غلام ربّانی تاباںؔ

ذوقِ سفر

PK
2200
R2Z18

ناشر :- حبیبہ تاباں

کاتب :- ابرار حسین جھنجھانوی

تعداد :- پانسو

قیمت :- پانچ روپے

ملنے کا پتا :- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - جامعہ نگر - نئی دہلی

پریس :- لبرٹی آرٹ پریس - دریاگنج - دہلی

اپریل سنہ ۱۹۷۰ء

LIBRARY
JUN 14 1971
UNIVERSITY OF TORONTO

میرے وہ دوست جنھیں میری شاعری پسند
ہے، اب اس بوجھ کو بھی سنبھالیں ــ انھی کے
نام یہ کتاب معنون کر رہا ہوں ۔

تاباںؔ

دو باتیں

اس سے پہلے میرے دو انتخاب شایع ہو چکے ہیں۔ "سازِ لرزاں" جو نظموں پر مشتمل ہے سنہ ۱۹۵۰ء میں شایع ہوا تھا۔ اور ایک غزلوں کا انتخاب "حدیثِ دل" کے نام سے سنہ ۱۹۶۰ء میں چھپا تھا۔ حدیثِ دل کے دو ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں اور تیسرا زیرِ طبع ہے۔

موجودہ انتخاب میں غزلوں کے علاوہ کچھ نظمیں اور قطعات بھی شامل ہیں۔ ان غزلوں اور نظموں کے انتخاب میں میرے جن دوستوں نے میری مدد کی ہے میں اُن کا ممنون ہوں۔ میں خاص طور سے ڈاکٹر محمد حسن، رشید حسن خاں صاحب، ڈاکٹر قمر رئیس اور صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کا ممنون ہوں جن کی کوششوں سے اس انتخاب کے شایع ہونے کی نوبت آئی۔ مدّتوں سے سوچ رہا تھا کہ ایک

انتخاب شایع کروں لیکن میری عدیم الفرصتی اور کاہلی مانع آرہی تھیں۔ ان حضرات نے یہ مشکل آسان کر دی۔

میرے کچھ دوستوں نے کتاب کے پروف پڑھے اور ان کی تصحیح کی جس کے لیے میں سپاس گزار ہوں۔ یوں تو پروف میں خود بھی پڑھ لیتا لیکن مجھے یقین ہے کہ جس محنت اور سلیقے سے انھوں نے پروف پڑھے ہیں وہ میرے لیے ممکن نہ ہوتا۔

اپنی شاعری کے متعلق مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ جو بھی بُرا بھلا کہہ سکا ہوں وہ آپ کے سامنے ہے۔

جامعہ نگر
۸۔ مارچ ۱۹۷۰ء

غلام ربانی تاباں

غزلیں

نارسائی میں فغاں کی آبرو ہے دوستو
عاشقی پیہم تلاش و جستجو ہے دوستو

آئنہ خانے میں کیا رکھا ہے حیرت کے سوا
جو نظر آتا ہے عکسِ آرزو ہے دوستو

کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ دیا کرتے ہیں لوگ
خامشی بھی ایک طرزِ گفتگو ہے دوستو

تاک میں صہبا، گلوں میں بُو، صبا میں پیچ و خم
سب کرشمہ سازیِ ذوقِ نمو ہے دوستو

دل تو دیوانہ سہی لیکن ہوس کا کیا علاج
ہوش کا دامن بھی محتاجِ رفو ہے دوستو

ہر قدم پر جل رہے ہیں راہِ اُلفت میں چراغ
ہر قدم پر نقشِ پا ہے جستجو ہے دوستو

کوششِ عرضِ ہنر ظاہر میں تاباںؔ کی غزل
اور در پردہ کسی سے گفتگو ہے دوستو

•

اُس دشمنِ تمکیں کا اشارا ابھی بہت ہے
خرمن کے لیے ایک شرارا ابھی بہت ہے

ہر موجِ ہوس سر سے گزر جائے ہے ورنہ
جینے کو غمِ دل کا سہارا ابھی بہت ہے

آجائے ہے رہ رہ کے خیالِ مہ و خورشید
ہر چند شبِ غم کوئی تارا ابھی بہت ہے

لائی ہے تری یاد بہت دل پہ خرابی
گو دل کو خرابی نے سنوارا ابھی بہت ہے

ہم آبلہ پایانِ رہِ شوق کو تاباں
یہ دوریِ منزل کا سہارا ابھی بہت ہے

•

ہم اہلِ دل جہاں سے گزرتے چلے گئے
اک تازہ امتحاں سے گزرتے چلے گئے

پابندِ مصلحت نہ ہوا کاروبارِ شوق
ہر سود، ہر زیاں سے گزرتے چلے گئے

ہونٹوں پہ تشنگی کے جَلائے ہوئے چراغ
اکثر رہِ مغاں سے گزرتے چلے گئے

آوارگیِ شوق نے رکھ لی جبیں کی لاج
ایک ایک آستاں سے گزرتے چلے گئے

تاباںؔ چلے تو اہلِ طلب کس یقیں کے ساتھ
ہر منزلِ گماں سے گزرتے چلے گئے

•

دل کے لیے گدازِ تمنّا کہاں سے لاؤں

پگھلا دے ساغروں کو وہ صہبا کہاں سے لاؤں

سرمایۂ حیات ہے دورِ ستم کی یاد

وہ برہمی و رنجشِ بے جا کہاں سے لاؤں

رہتی تھی جس کی سنگِ ملامت کو آرزو

وہ سر کہاں سے لاؤں، وہ سودا کہاں سے لاؤں

اے دردِ ہجر صورتِ تسکیں ہیں کیا کروں

اے چشمِ شوق خوابِ زلیخا کہاں سے لاؤں

مانا رہینِ یاس نہیں دل کی آرزو
لیکن میں عمرِ خضر و مسیحا کہاں سے لاؤں

ملنے کو مل تو جائے کسی سے کرم کی بھیک
دستِ سوال و حرفِ تمنّا کہاں سے لاؤں

تاباںؔ ہزار دید کی خواہش سہی مگر
جلوہ کہاں نصیب، تماشا کہاں سے لاؤں

●

فراغِ دل کو کہاں غم کے مشغلے کے سوا
سکون کچھ بھی نہیں ایک واہمے کے سوا

حرم بھی، دیر بھی، ہنگامہ زارِ سود و زیاں
مقامِ امن نہیں کوئی مے کدے کے سوا

نہ کوئی راہ سے نسبت بجز خرابیِ راہ
نہ کوئی ربط ہے منزل سے فاصلے کے سوا

ہم اہلِ شوق پہ سب آسرے حرام ہوئے
تری جفائے فراواں کے آسرے کے سوا

کرے ہے دردِ تمنّا گلوں کے ساتھ نمو
بہار کیا ہے غمِ دل کے مرحلے کے سوا
بہت دنوں میں یہ جانا کہ کچھ نہیں تاباںؔ
حیاتِ شوق شکستوں کے سلسلے کے سوا

•

تھکے ہیں لاکھ مسافر، سفر ہے، کیا کیجے
ابھی وہی کششِ رہ گذر ہے، کیا کیجے

جنوں پہ قیدِ طلب بھی بہت گراں ہے مگر
جبیں نوازترا سنگِ در ہے، کیا کیجے

چمن میں کوئی نشیمن رہے رہے نہ رہے
بہار، موسمِ رقصِ شرر ہے، کیا کیجے

بڑا عجیب یہ آوارگی کا رشتہ ہے
غبارِ راہ سہی، ہم سفر ہے، کیا کیجے

تمام عمر شکستوں سے دل کو کام رہا
خلوصِ شوق، رقیبِ اثر ہے، کیا کیجے

شکایتِ ستمِ روزگار لاحاصل
غمِ حیات سے کس کو مفر ہے کیا کیجے

ہنسے تھا عقل کی دیوانگی پہ کل تابا[ں]
مگر وہ خود بھی تو آشفتہ سر ہے، کیا کیجے

●

کسے دوام کی فرصت یہاں خضر کی طرح
تپش کی زیست یہی ایک پل شرر کی طرح

طلب کی راہ سے گزرے ہیں یوں بھی دیوانے
زمانہ ساتھ چلا گردِ رہ گذر کی طرح

گلوں کو چاک گریبانیاں مبارک ہوں
نسیم آئی بہاروں کے نامہ بر کی طرح

کبھی گزر بھی گیا شوق حدِّ تمکیں سے
کبھی چھلک بھی گیا جام، چشمِ تر کی طرح

ہزار سادگی و صد ہزار پُرکاری
نہ کوئی دوست نہ دشمن تری نظر کی طرح

جنوں وہ خام، جو بن جائے انجمن کا چراغ
ہَوا کی زد پہ رہو شمعِ رہ گذر کی طرح

وہ گفتگو کا سلیقہ بھی چاہیے تاباںؔ
کہ بات دل میں اُتر جائے نیشتر کی طرح

●

پریشاں ہو گئے ہم صورتِ گردِ سفر آخر
کہاں تک ساتھ دیوانوں کا دیتی رہ گذر آخر

تپش نشو و نما کی اہلِ دل کو سازگار آئی
کہ ہر موجِ چمن، بنتی گئی موجِ شرر آخر

تری محفل کی خاطر، ربط ہر محفل سے توڑا تھا
یہاں سے اُٹھ کے اب جائیں تو ہم جائیں کدھر آخر

ہجومِ درد اتنا ہے کہ تسکینِ وفا گُم ہے
کہاں تک دل کو بہلائے گی امیدِ اثر آخر

ابھی چشمِ تمنّا محوِ نظّارہ سہی، لیکن
تماشا خود سکھا لیتا ہے آدابِ نظر آخر
وہی دل ہے، وہی ہیں آرزوے دل کے ہنگامے
کہاں سے لائیں تاباںؔ فرصتِ عرضِ ہنر آخر

•

حیاتِ شوق میں ناکامیوں کا غم کیوں ہو
چراغِ رہ گذرِ دامنِ کرم کیوں ہو

ہجومِ آہ سہی، پھر بھی لب پہ کیوں آئے
وفورِ اشک سہی، پھر بھی آنکھ نم کیوں ہو

خلوصِ شوق کے مسلک کی آزمائش ہے
جُھکے نہ دل تو جبیں آستاں پہ خم کیوں ہو

ہوائیں جس کو بُجھا دیں وہ کیوں ہو دل کا چراغ
زمانہ جس کو مٹا دے، وہ نقشِ غم کیوں ہو

نہ یہ طریقۂ رِندی، نہ رسمِ مے خانہ
خدا نہ کردہ ہمیں فکرِ بیش و کم کیوں ہو

وفا کہ تیرے تغافل سے ربط رکھتی ہے
خرابِ پرسش و آلودۂ کرم کیوں ہو

اِسی سے انجمنِ انتظار کی رونق
ہمارا شوق، تری احتیاط کم کیوں ہو

زیان و سُود ہیں تا بآں، ہوس کے پیمانے
ہم اہلِ دل ہیں، ہمیں شکوۂ ستم کیوں ہو

آوارگیِ شوق کے حاصل کی طرح ہے
اِس راہ کا ہر موڑ کہ منزل کی طرح ہے

ہر راہ گذر پانوں کے چھالوں کی بدولت
پھولوں سے بھری، دامنِ قاتل کی طرح ہے

آتی ہے نظر حُسن کی نسبت سے حسیں بھی
دُنیا جو خرابی میں مرے دل کی طرح ہے

یادوں نے تری دل میں کیا جشنِ چراغاں
اب شوق کی خلوت، کسی محفل کی طرح ہے

جس کے لیے خود حُسن کا دامن نہ مچل جائے
وہ دستِ رسا، کاسۂ سائل کی طرح ہے

پایاب اگر ہو تو یہی موج ہے گرداب
اور سر سے گزر جائے تو ساحل کی طرح ہے

ہے یوں کہ سفر میں مری آشفتہ مزاجی
تاباںؔ مجھے اک رہبرِ کامل کی طرح ہے

●

دورِ حیات وقفِ غمِ جستجو سہی
قسمت میں تو نہیں ہے، تری آرزو سہی

اک شمع جل گئی ہے سرِ شاخِ آشیاں
فیضِ نمو یہی ہے تو فیضِ نمو سہی

کمبخت پھر بھی عہدِ جنوں کی ہے یادگار
دامانِ شوق لاکھ خراب رفو سہی

دل کے لیے یہ حُسنِ تعلق بھی کم نہیں
سمجھے تھے جس کو دوست وہ ظالم عدو سہی

پھولوں کے ساتھ نمودِ شرر بھی ہے
ہونے کو دل فریب بہت رنگ و بُو سہی

ہر شے پہ پڑ رہا ہے مری خواہشوں کا عکس
پیہم اک آئنہ سا مرے رُو برو سہی

بھر دے جو خلوتوں میں مری انجمن کا رنگ
تاباںؔ پھر آج دل سے وہی گفتگو سہی

●

فرصت کہاں جو دل کی جراحت کا غم کریں
اک تیر اور کھائیں کہ آنکھوں کو نم کریں

موجِ ستم کو سر سے گزرنا بھی آگیا
اب وقت ہے سپاسِ عزیزاں رقم کریں

بزمِ مغاں سے رکھتے ہیں ہم تشنگی کا ربط
آسودگانِ جام، غمِ بیش و کم کریں

ذوقِ جفائے دوست کی تسکیں تو ہوگئی
یہ اور بات، نازِ شکستوں پہ ہم کریں

ہر آرزو میں بھرتے چلیں حسرتوں کا رنگ
اک تازہ اہتمام سے جشنِ الم کریں
اُن کی خوشی وہ عہدِ ستم کا بھی توڑ دیں
تاباںؔ مگر جو فرضِ وفا ہے وہ ہم کریں

•

رہِ طلب میں کسے آرزوے منزل ہے
شعور ہو تو سفر خود سفر کا حاصل ہے

نہ دے سکے گا مرے عشقِ بے مقام کا ساتھ
فروغِ حُسن کہ اب تک اسیرِ محفل ہے

خطا پہ ناز، سزا پر غرور، کیا کہیے
کوئی دلیل نہ منطق، عجیب شے دل ہے

جہاں سے رکھتے ہیں ربطِ نیاز، رکھتے ہیں
جبیں جھکائیں ہر اک آستاں پہ مشکل ہے

نہ سیکھ پائے جو آدابِ بے سوالی کے
وہ ہاتھ کب ترے دستِ کرم کے قابل ہے

خود اپنے شوق پہ ہے انحصارِ مرگ و حیات
ہمارا کوئی مسیحا، نہ کوئی قاتل ہے

ہزار جلوے سرِ رہگذر سہی لیکن
نہ وہ دماغِ تماشا ہے اب، نہ وہ دل ہے

چُھٹے کشا کشِ اُمیّد و بیم سے تاباںؔ
سوادِ عشق میں بے حاصلی بھی حاصل ہے

•

مونس نہ کوئی دوست تری یاد کی طرح
ہے دل کے ساتھ دردِ خداداد کی طرح

آوارگی میں جادہ و منزل کی قید کیا
اپنا سفر بھی ہے سفرِ باد کی طرح

آئے چمن میں صورتِ موجِ نسیم ہم
نکلے چمن سے نکہتِ برباد کی طرح

دورِ ہوس میں جنسِ وفا رایگاں سہی
دل کو عزیز ہے، تری بیداد کی طرح

فصلِ نمو کی زخم فروشی نہ پوچھیے

ہر شاخِ گل ہے ناوکِ صیّاد کی طرح

محرومیِ دوام کا ساماں کیے ہوئے

جیتے ہیں ایک کوششِ برباد کی طرح

اے دشمنِ خلوص، وفا کا معاملہ

نازک بہت ہے، خاطرِ ناشاد کی طرح

تاباںؔ فروغِ بزم کا ساماں کہاں سے لائیں

دل ہے چراغِ رہ گذرِ باد کی طرح

●

جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا ہے

یوں تو ہر موڑ پہ منزل کا گماں ہوتا ہے

ایسے لمحے بھی گزرتے ہیں تری یاد کے ساتھ

دل پہ کمبخت دھڑکنا بھی گراں ہوتا ہے

کیا قیامت ہے کہ ہر مرحلۂ ترک و طلب

اہلِ دل کے لیے پیغامِ زیاں ہوتا ہے

پھر بھی گُل حوصلۂ نشو و نما رکھتے ہیں

موسمِ رنگ اگرچہ گذراں ہوتا ہے

شدتِ غم کو تبسم میں چھپانے والے

دل کا ہر راز نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے

آئنہ دارِ تغافل ہے مری خاموشی

کچھ نہ کہنا بھی اک اندازِ بیاں ہوتا ہے

میری آشفتہ کلامی پہ بہت طنز نہ کر

دل کی ہر بات میں اک ربطِ نہاں ہوتا ہے

عشق وہ دشمنِ تمکیں ہے کہ اکثر تاباں

دوست کا لطف بھی اک آفتِ جاں ہوتا ہے

●

سوادِ غم میں کہیں گوشۂ اماں نہ ملا
ہم ایسے کھوئے کہ پھر تیرا آستاں نہ ملا

یہ اتفاقِ زمانہ ہے، اس کا رونا کیا
ملا ملا کوئی دل کا مزاج داں نہ ملا

غموں کی بزم کہ تنہائیوں کی محفل تھی
ہمیں وہ دشمنِ تمکیں کہاں کہاں نہ ملا

عجیب دورِ ستم ہے کہ دل کو مدّت سے
نویدِ غم نہ ملی، مژدۂ زیاں نہ ملا

کسے ہے یاد کہ سعی و طلب کی راہوں میں
کہاں ملا ہمیں تیرا نشاں، کہاں نہ ملا
ادھر وفا کو گِلہ ہے کہ دل لہو نہ ہوا
اُدھر ستم کو شکایت کہ قدرداں نہ ملا
لبوں کو نطق کا اعجاز تو ملا تابِ
مگر سکوت کا پیرایۂ بیاں نہ ملا

•

تاباںؔ کسے شریکِ غمِ رہ گذر کہوں
اک گم رہی ہے جس کو شریکِ سفر کہوں

رنجِ شکست بھی ہے، غرورِ شکست بھی
اس زندگی کو درد کہوں یا اثر کہوں

پیہم ہے جس کا لطفِ تغافل مرے لیے
میں اور خدا نہ کردہ اُسے بے خبر کہوں

وابستہ ہو گئی ہے تری انجمن کے ساتھ
وہ روشنی جسے شبِ غم کی سحر کہوں

ہونے کو ہر ادائے ستم لاجواب ہے
اترے جو میرے دل میں اُسے نیشتر کہوں

حیراں ہوں کیا میں شوق کی جرأت کو نام دوں
اپنی خطا کہوں کہ تری در گذر کہوں

جل جائے آشیاں تو سپاسِ نمو لکھوں
رقصِ شرر کو موسمِ گُل کا اثر کہوں

تاباںؔ ہجومِ درد میں جو مسکرا سکے
پھر کیا کہوں اسے جو نہ آشفتہ سر کہوں

●

شوق کا تقاضا ہے، شرحِ آرزو کیجے
دل سے عہدِ خاموشی، کیسے گفتگو کیجے

دل ہو یا گریباں ہو، روز چاک ہوتے ہیں
کیا جنوں کے موسم میں کوششِ رفو کیجے

عاشقیؔ و خودداری، بندگیؔ و خود بینی
آرزو کی راہوں میں خونِ آرزو کیجے

دادِ سعیِ پیہم کی کچھ تو دیجیے، یعنی
تازہ تر شکستوں سے دل کو سُرخ رُو کیجے

پائے شوق میں کب تک راستوں کی زنجیریں
صورتِ صبا چلیے، سیرِ چار سو کیجے

ق

ہے خلوص کا مسلک، دشمنِ اثر آخر
جو نہ ہو مقدّر میں، اُس کی جستجو کیجے
بزمِ جام و مینا میں دادِ تشنگی دیجے
موسمِ بہاراں میں حسرتِ نمو کیجے
کیا عجب کہ بر آئے دل کی آرزو تاباںؔ
سیرِ کوئے قاتل کی آپ بھی کبھو کیجے

●

کوئی کرے گا خطاؤں سے درگذر کب تک
حیات، لغزشِ پیہم سہی، مگر کب تک

تمھاری بزم سے اُٹھنے کو اُٹھ تو آئے ہیں
یہ دیکھنا ہے بھٹکتے ہیں در بدر کب تک

اک آشیاں کی حقیقت ہی کیا، رہے نہ رہے
گلوں کے دور میں اندیشۂ شرر کب تک

قدم قدم پہ سنا کر نوید منزل کی
فریب دے گی مسافر کو رہ گذر کب تک

ق

یہ مشورہ تھا خرد کا کہیں کے ہو جاؤ
پھرو گے خاک اُڑاتے اِدھر اُدھر کب تک
جنوں کا درس مگر دل کو سازگار آیا
وہ دیر ہو کہ حرم، قیدِ بام و در کب تک
اگر یہی ہیں شب و روزِ عاشقی تابانؔ
نہ ہوگا دل کا زیاں، جان کا ضرر کب تک

●

نمو کے فیض سے رنگِ چمن نکھر سا گیا
مگر بہار میں دل شورشوں سے ڈر سا گیا

جفائے دوست بہت سازگار آئی ہے
خراب ہو کے یہ دل اور کچھ سنور سا گیا

نہ جانے بادِ صبا کیا پیام لائی تھی
کہ پھول ہنس تو دیے، پھر بھی مُنہ اُتر سا گیا

بہ فیضِ شوق یہ دن دیکھنا نصیب ہوا
کہ سر سے درد کا طوفاں گزر گزر سا گیا

طلسمِ بزم، فسونِ جمال، سحرِ شباب
نگاہِ شوق کا دامن گُلوں سے بھر سا گیا
وہ شام ہو گئی منسوب ان کی یاد کے ساتھ
چراغ جل سا گیا، داغِ دل اُبھر سا گیا
وہ ایک شوخ کا اندازِ گفتگو تا باں
جگر میں طنز کا نشتر اُتر اُتر سا گیا

•

ایک تم ہی نہیں، دنیا میں جفاکار بہت
دل سلامت ہے تو دل کے لیے آزار بہت

ہائے کیا چیز ہے محرومیِ غم کا رشتہ
مل گئے زیست کے ہر موڑ پہ غم خوار بہت

یادِ احباب کی خوشبو سے مہکتے لمحے
کچھ کہو، ہوتے ہیں کمبخت دل آزار بہت

عشقِ آوارہ کہاں، قیدِ در و بام کہاں
بے نواؤں کے لیے سایۂ دیوار بہت

دل کی رفتار بدل جاتی تھی آواز کے ساتھ
یاد آتا ہے وہ پیرایۂ گفتار بہت

ایک دن وقت بتائے گا جنوں کی عظمت
یوں تو ہم لوگ ہیں رسوا سرِ بازار بہت

وہ کشاکش ہے کہ جینا بھی ہے دوبھر تابانؔ
عشق معصوم بہت، حُسن فسوں کار بہت

●

خلوص بچ گیا الزام سے گدائی کے
ہیں دستِ شوق پہ احسان نارسائی کے

شبِ حیات ترستی تھی روشنی کے لیے
چراغ تم نے جلائے ہیں بے وفائی کے

وہ دل ستاں سہی لیکن ترے تغافل نے
سکھا دیے ہمیں آداب آشنائی کے

وہی ہے انجمنِ انتظار کی رونق
ہوئے ہیں ختم کہاں مرحلے جُدائی کے

گلُوں کی طرح چمن میں معاش کیا کرتے
صبا سے درس لیے ہم نے بے نوائی کے
کٹی بتوں کی پرستش میں زندگی تاباںؔ
مگر زبان پہ دعوے ہیں پارسائی کے

●

غم ہاے روزگار سے فرصت کہاں مجھے

اچھا ہے بھول جائیں مرے مہرباں مجھے

رکھنا پڑی بہار میں برق و شرر کی لاج

ہر چند تھا عزیز بہت آشیاں مجھے

ٹوٹا ہے جب سے ربط ترے آستاں کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہے کوئی آستاں مجھے

تنہا روی پہ شوق نے مجبور کر دیا

یوں راہ میں ملے تھے کئی کارواں مجھے

محرومیوں کے درد کا درماں نہ کیجیے
راس آگئی ہیں شوق کی بربادیاں مجھے

اچّھا تمھیں بتاؤ وفا کا معاملہ
درسِ زیاں تمھیں ہے کہ درسِ زیاں مجھے

اک شوخِ خوش کلام سے تکرار کیا کروں
تاباںؔ، مِرا سکوت ہے حُسنِ بیاں مجھے

●

کبھی عیادتِ دل کو جو آرزو آئی
پھر ایک محوِ تغافل کی گفتگو آئی

کسی کی بزم سے اٹھنا بہت گراں تھا، مگر
مجھے خوشی ہے، وفا آج سُرخ رُو آئی

نہ پیاس کم تھی، نہ مے کم تھی، پھر یہ کیا گزری
کہ تشنہ محفلِ ساقی سے آرزو آئی

ہزار عام ہوئی نکہتوں کی بربادی
گلوں کو راس مگر شورشِ نمو آئی

شمیمِ درد سے مہکی ہوئی ہے رات تمام
پھر آج یاد تری زلفِ مُشکبو آئی

وہ بدنصیب بھی دیکھے ہیں، جن کی قسمت میں
بجائے شغلِ جنوں زحمتِ رفو آئی

سروں سے اہلِ چمن کے گزر گئی تابانؔ
اگر چمن میں کبھی موجِ رنگ و بُو آئی

●

تری تلاش میں جس رہ گذر سے گزرا ہوں
قدم قدم پہ فریبِ نظر سے گزرا ہوں
کبھی اٹھائی ہے صحبت چمن میں پھولوں کی
کبھی سیاستِ برق و شرر سے گزرا ہوں
ملی ہے آبلہ پائی کی داد کانٹوں سے
چمن کھلائے ہیں میں نے جدھر سے گزرا ہوں
خرابِ سعی و طلب ہوں، مجھے قیام کہاں
صبا کی طرح میں ہر رہ گذر سے گزرا ہوں

کسے خبر تھی کہ یہ دن بھی دیکھنا ہوگا
میں آج بچ کے تری رہ گذر سے گزرا ہوں

تلاشِ نُور میں گزرا تھا جادۂ شب سے
سحر ملی تو جفائے سحر سے گزرا ہوں

سخن کی راہ میں دل خون کر دیا تا با
بڑے مراحلِ کسبِ ہنر سے گزرا ہوں

●

دہر سے اُٹھ سی گئی رسمِ وفا کیا کیجے
انقلاباتِ زمانہ کا گلا کیا کیجے

فیضِ موسم سے کھلے جاتے ہیں زخموں کے چمن
موجِ خوں بننے لگی موجِ صبا کیا کیجے

دل ترستا ہے جراحت کے لیے، کیا کہیے
شوق کا جرم ہے محرومِ سزا، کیا کیجے

ربط سب ٹوٹ گئے ربطِ تمنّا کے سوا
پاسِ غم چاہیے، اب عرضِ وفا کیا کیجے

درد نے دل کو چھُوا دستِ مسیحا کی طرح
اس جفائے طرب افزا کا گِلا کیا کیجے

پھر بھڑکنے لگے سینے میں تمنّا کے چراغ
پھر مخالف ہے زمانے کی ہوا، کیا کیجے

کیوں کریں اہلِ تغافل کی شکایت تاباںؔ
یوں بھی ملتا ہے وفاؤں کا صلا، کیا کیجے

●

ستم کی معذرت تو خیر اک دستورِ دنیا ہے
گلوں پر اوس کیوں پڑنے لگی، یہ کیا تماشا ہے

شکستِ آرزو سے، شوق کی تہذیب ہوتی ہے
اگر ذوقِ جفا کچھ اور بڑھ جائے تو اچھا ہے

ابھی کل زخم کھائے تھے نوازش ہائے یاراں سے
مگر دل ہے کہ پھر کمبخت مصروفِ تمنا ہے

غمِ دل کی حقیقت کیا بتاؤں، بات اتنی ہے
نہ راس آئے تو سَم ہے، راس آ جائے تو صہبا ہے

ق

مہیا کر دیے موسم نے سامانِ جنوں کیا کیا
بڑا ظالم، بڑا قاتل، یہ ساون کا مہینا ہے
کسک سی دل میں ہوتی ہے ہوا کے نرم جھونکوں سے
فضا کا نم، تمناؤں کو اعجازِ مسیحا ہے
محبّت میں کہاں گنجائشِ سود و زیاں تاباں
وفاؤں کا صِلہ بربادیِ دل کے سوا کیا ہے

●

مدت سے حُسن و عشق میں اک آشتی سی ہے
لیکن ابھی خلوصِ جفا میں کمی سی ہے

تنہائیوں کی اب وہ حسیں محفلیں کہاں
دل سے کسی کی یاد بھی روٹھی ہوئی سی ہے

مانا غمِ حیات میں ہے شوق کا ضرر
لیکن غمِ حیات میں اک دل کشی سی ہے

کس کو خبر، ہیں راہ میں مقتل کہاں کہاں
یہ جانتا ہوں، دور تلک روشنی سی ہے

ست

حیراں ہوں اس کو لطف کہوں یا جفائے دو

ہر سعیِ التفات میں، اک بے رخی سی ہے

اب اس کا کیا گلہ کہ چمن میں گلوں کی رُت

خود میری زندگی کی طرح عارضی سی ہے

تاباںؔ، فریب کیسے نہ کھا جائے آرزو

ظالم کی شوخیوں میں بھی اک سادگی سی ہے

●

منزلوں سے بےگانہ آج بھی سفر میرا
رات بےسحر میری، درد بے اثر میرا

گمرہی کا عالم ہے، کس کو ہم سفر کہیے
تھک کے چھوڑ بیٹھی ہے ساتھ رہ گذر، میرا

اب ترے تغافل سے اور کیا طلب کیجے
شوق نارسا میرا، عشق معتبر میرا

دورِ کم عیاری ہے، کچھ پتا نہیں چلتا
کون میرا قاتل ہے، کون چارہ گر میرا

ناگزیرِ ہستی ہیں فصلِ گل کے ہنگامے
شورشِ نمو تیری، فتنۂ شرر میرا
کچھ بتاؤ تو آخر کیا جواب دوں اُس کو
اک سوال کرتا ہے روز مجھ سے گھر میرا
دل کی بے قراری نے ہوش کھو دیے تاباںؔ
ورنہ آستانوں پر کب جھکا تھا سر میرا

•

جب دل پہ پڑا ہے تری آواز کا سایہ
کچھ دیر کو آلامِ جہاں بھول گیا ہوں

پھر شام سے پلکوں پہ نکل آئے ہیں تارے
شاید کہ میں آدابِ فغاں بھول گیا ہوں

ہر ربط بجز ربطِ طلب ٹوٹ گیا ہے
ہر درس بجز درسِ زیاں بھول گیا ہوں

ہم راہ میں بچھڑے تھے کہاں یاد نہیں ہے
کس موڑ پہ تھی عمرِ رواں بھول گیا ہوں

اُٹھنا تری محفل سے ابھی یاد ہے لیکن
پھر وقت گزارا تھا کہاں، بھول گیا ہوں

تسلیم کہ میں شدّتِ افکار میں اکثر
ہر دور رہے دورِ گذراں، بھول گیا ہوں

وہ رنج بہاروں میں اٹھائے ہیں کہ تاباںؔ
کمبخت میں بے دادِ خزاں بھول گیا ہوں

●

دورِ لطفِ ساقی کا کس کو راس آتا ہے
دل کی طرح پیمانہ ٹوٹ بھی تو جاتا ہے

کیوں سجائے بیٹھے ہو انتظار کی محفل
کس کو اتنی فرصت ہے، کون دور آتا ہے

اور دیکھیے کیا ہوں مرحلے جدائی کے
رات گنگناتی ہے، چاند مسکراتا ہے

زندگی عبارت ہے حادثاتِ پیہم سے
ربط ٹوٹ جاتا ہے، ساتھ چھوٹ جاتا ہے

شوق کو مبارک ہو خونِ آرزو تاباں
اک چمن جراحت کا دل میں کھلتا جاتا ہے

•

کبھی گِلہ ہے کبھی اعتمادِ بے جا ہے
جمالِ یار سے نسبت جنوں کو کیا کیا ہے
یہ چار دن کی رفاقت بھی کم نہیں اے دوست
تمام عمر بھلا کون ساتھ دیتا ہے
کبھی یہ حال، سراپا طلب ہے دل میرا
کبھی خیالِ طلب بھی گراں گزرتا ہے
بڑے عجیب ہیں آداب ترکِ الفت کے
چراغ بُجھتا نہیں جِھلملانے لگتا ہے

کہاں ہیں ظرف کو ساغر سے ناپنے والے
کبھی یہ دیکھیں تو پیاسوں کا ظرف کتنا ہے

قبولِ خاطرِ اربابِ مصلحت کیوں ہو
خلوصِ شوق کہ ہر انجمن میں رسوا ہے

جلا کے شمعِ وفا مطمئن تھا دیوانہ
مگر ہوائے مخالف پہ زور کس کا ہے

بس ایک ضربِ حقیقت سے آن ہی آن میں تابا
طلسمِ بزمِ تمنّا کا ٹوٹ جاتا ہے

●

تمام جہد و تجسّس تمام درد سہی
سفر حیات ہے، حاصلِ سفر کا گرد سہی

چلے چلو کہ ابھی دُور ہے دیارِ خلوص
قدم قدم پہ زمانے سے اک نبرد سہی

نظر تو آئے ہیں صحرا میں زندگی کے نشاں
وہ کارواں نہ سہی کارواں کی گرد سہی

نصیب کچھ نہ ہوا دامنِ تہی کے سوا
ہزار بادِ صبا گلستاں نورد سہی

اگر جھکے تو بڑی شے ہے آستاں کے لیے
جبینِ شوق پہ رسوائیوں کی گرد سہی
یہ حادثہ بھی محبّت میں عام ہے تاباںؔ
ہوائے لطف کی زد پر چراغِ درد سہی

●

لطف یہ ہے جسے آشوبِ جہاں کہتا ہوں
اُسی ظالم کو فروغِ دل و جاں کہتا ہوں

غیر کا ذکر ہی کیا، مفت میں الزام نہ دو
دل کی ہر بات میں تم سے بھی کہاں کہتا ہوں

کون سمجھائے تری تمکنتِ بے حد کو
بے زبانی کو بھی اکثر میں زباں کہتا ہوں

کسی مجبور کے ہونٹوں پہ جو آجاتا ہے
اُس تبسم کو میں اعجازِ فغاں کہتا ہوں

نہ میں زندانیِ صحرا، نہ اسیرِ گلشن
کوئی بندش ہو، اُسے جی کا زیاں کہتا ہوں

دل شکستہ سہی، مایوس نہیں ہوں اے دوست
میں کہ ہر دور کو دورِ گذراں کہتا ہوں

کوئی حد ہے مری آشفتہ سری کی تا باں
اُن کی زلفوں کو چراغوں کا دھواں کہتا ہوں

•

ہر ستم لطف ہے، دل خُوگرِ آزار کہاں
سچ کہا تم نے، مجھے غم سے سروکار کہاں

دشت و صحرا کے کچھ آداب ہوا کرتے ہیں
کیوں بھٹکتے ہو، یہاں سایۂ دیوار کہاں

بادۂ شوق سے لبریز ہے ساغر میرا
کیسے افکار، مجھے فرصتِ افکار کہاں

کیوں ترے دور میں محرومِ سزا ہوں کہ مجھے
جرم پر ناز سہی، جرم سے انکار کہاں

رہروِ شوق ہے بے گانۂ منزل ورنہ
کوچۂ دار کہاں، کوچۂ دلدار کہاں

سوچتے کیا ہو، جلاتے رہو زخموں کے چراغ
دیکھتے کیا ہو، ابھی صبح کے آثار کہاں

تم کو چاہا تھا، مگر تم بھی وفا دوست نہیں
دل پہ تکیہ تھا مگر دل بھی وفادار کہاں

یوں تو ہر گام پہ غم خوار ملے ہیں تاباںؔ
جو مرے غم کو سمجھ پائے وہ غم خوار کہاں

●

جینے کو جی رہا ہوں مگر زندگی کہاں
کہتے ہیں جس کو شوق وہ منزل ابھی کہاں

مے تو نہیں خرید لو ہر مے فروش سے
بازار میں ملے گی تمھیں تشنگی کہاں

مثلِ چراغ، درد کا ہر لمحہ جل اٹھا
ورنہ تمھیں بتاؤ، یہاں روشنی کہاں

دل میں جراحتوں کے چمن کب نہیں کھِلے
فصلِ بہار میرے لیے اجنبی کہاں

دیکھو کہیں فسونِ تغافل نہ ٹوٹ جائے
دیتی ہے ساتھ دُور تلک نے دلی کہاں

ہوں گی ابھی تو اور بھی برباد نکہتیں
گلشن میں حادثاتِ نمو کی کمی کہاں

تاباںؔ ہزار عام سہی وارداتِ شوق
ہوتے ہیں یوں خرابِ تمنّا سبھی کہاں

•

ملے گا درد تو درماں کی آرزو ہو گی
تمام عمر غرض صرفِ جستجو ہو گی

پھر آج دل سے مخاطب ہیں شب کے سنّاٹے
پھر آج صبح تلک اُن کی گفتگو ہو گی

جنوں کا شغل سلامت، رفو کی فکر نہ کر
کسے خبر ہے کہ کب فرصتِ رفو ہو گی

ابھی جلیں گے یہاں اور بے رُخی کے چراغ
اس انجمن میں وفا اور سُرخ رُو ہو گی

چلے گی بات جہاں تیری کج ادائی کی
مری وفا بھی تو موضوعِ گفتگو ہو گی

کبھی کبھی تو مجھے یہ خیال آتا ہے
کہے ہیں جس کو زمانہ، وہ تیری خُو ہو گی

ملیں گے راہ میں ایسے بھی ہم سفر تاباںؔ
قدم قدم جنھیں منزل کی جستجو ہو گی

●

خیالِ دوست کو خوشبوے پیرہن کہیے
کھلے وہ زخم کہ پھولوں کی انجمن کہیے

عجیب بات ہے کچھ لوگ اب بھی رکھتے ہیں
خلوص شوق جسے دل کا بانکپن کہیے

چمن کی جان ہے پھولوں کی دھیمی دھیمی آنچ
بجھے بجھے سے مناظر کو کیا چمن کہیے

یقین جان بہت ہے مری وفا کے لیے
وہ اک نگاہ جسے زحمتِ سخن کہیے

وہ بے سبب ہی سہی بے رخی کا شکوہ کیا
غرورِ ناز کو، آدابِ انجمن کہیے
لبِ نگار پہ آئے ہوئے تبسّم کو
ہجومِ رنگ میں کھوئی سی اک کرن کہیے
میں اور ترکِ تعلق کی آرزو تاباںؔ
کسی کی سعیِ نوازش کو سوءِ ظن کہیے

●

دورِ طوفاں میں بھی جی لیتے ہیں جینے والے
دُور ساحل سے، کسی موجِ گریزاں کی طرح
دل کی وادی میں ترا درد برستا ہی رہا
ابرِ نیساں کی طرح، ابرِ بہاراں کی طرح
فاصلے وقت میں تبدیل ہوئے جاتے ہیں
زندگی رقص میں ہے گردشِ دوراں کی طرح
دل کی تسکین کو مانگے کا اُجالا کیسے
رات اک شوخ کی یاد آئی تھی مہماں کی طرح
آرزو اور زمانے کی کشاکش سے گریز
زندگی اور چراغِ تہِ داماں کی طرح

گر نہ ہو خاطرِ نازک پہ گراں تو کہہ دوں
بات بھی دل میں اتر جاتی ہے پیکاں کی طرح

ق

ایک تصویر بنی سرحدِ اظہار سے دُور
نطق حیراں ہے، مرے دیدۂ حیراں کی طرح
چاند نکھرا ہے تری لوحِ جبیں کی صورت
رات بکھری ہے تری زلفِ پریشاں کی طرح
کس نے ہنس ہنس کے پیا زہرِ ملامت پیہم
کون رسوا سرِ بازار ہے تاباںؔ کی طرح

●

کبھی جو کی بھی تو یوں شرحِ آرزو میں نے
خموشیوں میں بھرا رنگِ گفتگو میں نے
بڑھائی میری وفاؤں کی آبرو تو نے
کیا ہے تیری جفاؤں کو سُرخ رو میں نے
قریب آ گیا دامن تو ہاتھ کھینچ لیا
بدل بدل دیے آدابِ آرزو میں نے
اب اس سے بڑھ کے بھی توہینِ شوق کیا ہو گی
خود آج اپنا گریباں کیا رفو میں نے

کہاں کہاں سے تلاشِ چمن میں گزری ہے
صبا سے سیکھے ہیں اندازِ جستجو میں نے

کہاں دماغ کہ غیروں سے جوڑیے ناتا
سمجھ کے اپنا کہا ہے تجھے عدو میں نے

خزاں نصیب سہی، پھر بھی بارہا تاباں
چمن میں دیکھے ہیں ہنگامۂ نمو میں نے

•

یوں تو ہر نقشِ تغافل کو میں باطل کہہ دوں
راز پھر راز ہے، کیسے سرِ محفل کہہ دوں

منزلِ شوق بجز وہم و گماں کچھ بھی نہیں
ہاں جو تم چاہو تو ہر موڑ کو منزل کہہ دوں

اک ذرا اور بڑھے خونِ تمنّا کا وقار
تم مسیحا ہی سہی آج تو قاتل کہہ دوں

کیا میں دو چار تھپیڑوں کے بھی قابل نہ رہا
ایک دن موج کو گھبرا کے نہ ساحل کہہ دوں

عشقِ معصوم کی توہین گوارا نہ ہوئی
ورنہ سوچا تھا کہ اک روزِ غمِ دل کہہ دوں
جس کو اربابِ ہوس دستِ رسا کہتے ہیں
لطف آئے، جو اُسے کاسۂ سائل کہہ دوں
اُن کی بیداد کہ دنیا کے ستم ہوں تاباں
زہر بن جائیں اگر چارہ گرِ دل کہہ دوں

●

حیاتِ نو کا تجھے نامہ بر کہا میں نے
کہ تیرے دَور کو دورِ سحر کہا میں نے

وہ چند لمحے جو گزرے ہیں دل کی صحبت میں
اُنھی کے فیض کو، فکر و نظر کہا میں نے

نہ جانے مجھ سے گِلہ کیوں ہے اہلِ محفل کو
نوائے درد کو کب کارگر کہا میں نے

نہ آئے حرف کہیں میری بے نوائی پر
کہ گردِ راہ کو رختِ سفر کہا میں نے

کہاں کے دوست بھری انجمن میں تنہا ہوں
یہ کیا کیا کہ تجھے بے خبر کہا میں نے

مرے خلوص پہ یہ سانحہ بھی گزرا ہے
عدوے جاں تھا، جسے چارہ گر کہا میں نے

نمودِ گھر کی کہاں سنگ و خشت سے تاباںؔ
کچھ اور شے تھی جسے اپنا گھر کہا میں نے

•

نزدیک سے کھلتے نہیں تصویر کے جوہر
دیدار کی حسرت ہے تو ہو جاؤ ذرا دور
ہونٹھوں پہ اُبھر آتی ہے اک درد کی تحریر
یوں بھی کبھی ہنسنے پہ میں ہو جاتا ہوں مجبور
ہو سکتا ہے، کچھ دیر کو آجائے تری یاد
ورنہ وہی تنہائی کا عالم ہے بدستور
سمجھائے اسے کون، یہ دل کس کی سُنے ہے
کمبخت کو مانگے کی جفا بھی نہیں منظور

ہر درد کے لمحے سے نچوڑی ہے مئے تیز
شایانِ خرابات کہاں بادۂ انگور
جینے کا یہ انداز بھی دلچسپ ہے تاباںؔ
دل درد سے لبریز، فضا درد سے معمور

●

لمحۂ درد کو اعجازِ تمنّا جانو
ظرف کی بات ہے، قاتل کہ مسیحا جانو

ایک ہیں موجِ صبا، موجِ شرر، موجِ نمو
پھول کھِل جائیں تو ظالم کا سراپا جانو

تم نے کب دیکھے وہ لمحے جو گزرتے ہی نہیں
درد کی رات کسے کہتے ہیں، تم کیا جانو

وقت بے درد سہی، ساقیِ بے فیض سہی
مے کشو، تلخیِ ایّام کو، صہبا جانو

یوں تو ہر جلوۂ رنگیں کو تماشا سمجھو
اُن کی محفل میں مگر خود کو تماشا جانو

دل میں خوں گشتہ تمنّا کے سوا کچھ بھی نہیں
اب یہ تم پر ہے چمن سمجھو کہ صحرا جانو

کیسے گزرو گے مراحل سے سفر کے تاباںؔ
تم کہ منزل سے شناسا ہو نہ رستا جانو

•

زخم بن جائے، کبھی زخم کو مرہم بن جائے
راس آجائے تو کیا کیا نہ ترا غم بن جائے

عام حالات میں کچھ بھی نہیں اک قطرۂ آب
آنکھ میں اشک بنے، پھول پہ شبنم بن جائے

کچھ نہ کچھ شوق میں میرے ہی کمی ہے ورنہ
غم کا عالم بھی، ترے حُسن کا عالم بن جائے

میں کہ جس راہ سے گزروں وہ بنے راہِ صلیب
تو کہ جس سنگ کو چھُو لے بُتِ مریم بن جائے

زندگی درد کے سایے میں سکوں پاتی ہے
ورنہ حالات تو وہ ہیں کہ جہنّم بن جائے
محفلِ دوست میں چھلکے تو چھلکتا ہی رہے
جامِ مے، آج مرا دیدۂ پُرنم بن جائے
اک ذرا چھیڑیں تو گستاخ ہوا کے جھونکے
یوں اُڑے زلف تری، حُسن کا پرچم بن جائے
سالِ نو کے لیے یہ لب پہ دعا ہے تاباںؔ
لطف کا دور بنے، پیار کا موسم بن جائے

●

شکستِ شوق بہت ناگوار بھی تو نہیں
یہ کیا ستم ہے کہ دل بے قرار بھی تو نہیں

مری وفا پہ عجب سانحہ سا گزرا ہے
کہ مدّتوں سے ترا انتظار بھی تو نہیں

تری جفا کے سہارے گزر تو سکتی ہے
تری جفا کا مگر اعتبار بھی تو نہیں

چمن میں پھُول کھلیں یا جگر میں زخم کھلیں
ہوائے دہر پہ کچھ اختیار بھی تو نہیں

کچھ اس طرح سے مٹا شہرِ آرزوؤں کا
کوئی نشان کوئی یادگار بھی تو نہیں
عروج پر ہے مرا بختِ نارسا تاباں
کہ غیرِ درد کوئی غمگسار بھی تو نہیں

•

اب کج ادائیوں کے کھلیں گے چمن کہاں
وہ کوئی انجمن ہو، تری انجمن کہاں

ہے یوں کہ رازِ شوق خموشی نے کہہ دیا
ورنہ حضورِ دوست مجالِ سخن کہاں

ہر منظرِ جمیل سے آئے شمیمِ دوست
دیوانگی ہے معجزۂ پیرہن کہاں

کیا کیا نہ تھیں فریبِ تمنّا میں لذّتیں
کم بخت کھو گیا ہے مرا حُسنِ ظن کہاں

یادوں میں اک حسین سی تصویر رہ گئی
کچھ اور یادگارِ گُل و نسترن کہاں
یک گو نہ حادثوں کو علاقہ ہے ظرف سے
اک ننگِ کارواں کے لیے راہ زن کہاں
تاباںؔ خلوصِ شوق کو رسوا نہ کیجیے
اس دورِ مصلحت میں وفا کا چلن کہاں

•

غمِ ہائے روزگار سے دل شاد کیجیے
بیتے ہوئے دنوں کو نہ اب یاد کیجیے
انجام، عرضِ شوق کا معلوم ہے، مگر
چلیے کچھ اور کوششِ برباد کیجیے
دل لذّتِ فریب سے محروم ہو گیا
کچھ ہو سکے تو آپ ہی امداد کیجیے
مانا کہ عشق درخورِ بے داد بھی نہیں
کچھ تو خیالِ خاطرِ ناشاد کیجیے

دل میں کھلے گلاب، مژہ پر جلے چراغ
اب کیا بیان درد کی روداد کیجیے

اس بزم میں شراب بھی ہے تشنگی بھی ہے
کیا مقصدِ حیات ہے، ارشاد کیجیے

تاباںؔ ملائی خاک میں کیوں غم کی آبرو
کس نے کہا تھا، نالہ و فریاد کیجیے

●

ہر موڑ کو چراغِ سرِ رہ گذر کہو
بیتے ہوئے دنوں کو غبارِ سفر کہو
خوں گشتہ آرزو کو کہو شامِ مے کدہ
دل کی جراحتوں کو چمن کی سحر کہو
غم ہائے روزگار کا کچھ احترام بھی
چھلکے جو کوئی جام اُسے چشمِ تر کہو
ہر رہ گذر پہ کرتا ہوں زنجیر کا قیاس
چاہو تو تم اسے بھی جنوں کا اثر کہو

میری متاعِ درد یہی زندگی تو ہے
نا معتبر کہو کہ اسے معتبر کہو

یہ بھی عروجِ رنگ کا اک معجزہ سہی
پھولوں کی تازگی کو فروغِ شرر کہو

دانشورانِ حال کا تاباں ہے مشورہ
ہر منظرِ جہاں کو فریبِ نظر کہو

●

حیات نرم دھندلکوں میں کھو گئی ہو گی
سوادِ زلف میں اب شام ہو گئی ہو گی

عروجِ شوق کا موسم کہاں سے لاؤں میں
وہ ایک موج تھی، دریا میں کھو گئی ہو گی

غبارِ وقت نے دھندلا دیے نقوش تمام
صبا چمن میں پریشان ہو گئی ہو گی

جدھر بھی جاؤ گے، ٹوکیں گے شب کے سنّاٹے
کہاں کا قصد ہے، ہر راہ سو گئی ہو گی

فضول ہے کسی ناکام زندگی کی تلاش
غریب نظرِ خرابات ہو گئی ہو گی

کبھی تو قتلِ وفا پر لجا گئے ہوں گے
کبھی تو پھولوں کو شبنم بھگو گئی ہو گی

یہ تشنگی جسے ہونٹوں کی آبرو کہیے
نہ جانے کتنوں کو ظالم ڈبو گئی ہو گی

کہانی درد کی کل پر اٹھا رکھو تاباںؔ
تھکی ہوئی ہے بہت رات، سو گئی ہو گی

●

جلوہ پابندِ نظر بھی ہے نظر ساز بھی ہے
پردۂ راز بھی ہے پردہ درِ راز بھی ہے
ہم نفس آگ نہ لگ جائے کہیں محفل میں
شعلۂ ساز بھی ہے شعلۂ آواز بھی ہے
یوں بھی ہوتا ہے مداوائے غمِ محرومی
جبرِ صیّاد بھی ہے حسرتِ پرواز بھی ہے
میرے افکار کی رعنائیاں تیرے دم سے
میری آواز میں شامل تری آواز بھی ہے

زندگی ذوقِ نمو، ذوقِ طلب، ذوقِ نظر
انجمن ساز بھی ہے، گرمِ تگ و تاز بھی ہے
میرے افکار و خیالات میں جاری تاباںؔ
حسنِ دلّی بھی ہے رعنائیِ شیراز بھی ہے

●

کوچۂ شوق، رہِ فکر و نظر سے گزرے
نقشِ پا چھوڑ گئے، ہم تو جدھر سے گزرے

آج اے وحشتِ دل جانے کدھر سے گزرے
کتنے دلچسپ تھے منظر جو نظر سے گزرے

ہم بھی مسجد کے ارادے سے چلے تھے لیکن
مے کدے راہ میں حائل تھے جدھر سے گزرے

ق

یہ وہ منزل ہے کہ الیاس بھی گُم خضر بھی گُم
ہائے آوارگیِ شوق، کدھر سے گزرے

کتنی امواجِ بلا پانوں کی زنجیر بنیں
کتنے طوفانِ حوادث تھے کہ سر سے گزرے

زاہد و شیخ میں کیا کیا نہ ہوئی سرگوشی
مے کدے جاتے ہوئے ہم جو اُدھر سے گزرے

آج تاباںؔ دلِ مرحوم بہت یاد آیا
بعد مدّت کے جب اُس راہ گذر سے گزرے

●

سر تا بقدم ایک حسیں راز کا عالم
اللہ رے اک فتنہ گرِ ناز کا عالم
زلفوں میں وہ برسات کی راتوں کی جوانی
عارض میں وہ انوارِ سحر ساز کا عالم
عنوانِ سخن، غالب و مومن کا تغزّل
اندازِ نظر، بادۂ شیراز کا عالم
دزدیدہ نگاہوں میں اک الہام کی دنیا
نازک سے تبسّم میں اک اعجاز کا عالم
اُلجھے ہوئے جملوں میں شرارت بھی حیا بھی
جذبات میں ڈوبا ہوا آواز کا عالم

اس سادگیِ حُسن میں کس درجہ کشش ہے
ہر ناز میں اک جذبۂ غمّاز کا عالم
اُس صید کو کیا کہیے جو خود آئے تہِ دام
دل میں لیے اک حسرتِ پرواز کا عالم
یوں تو نہ تساہل نہ تغافل نہ تجاہل
کچھ اور ہے اس کافرِ طنّاز کا عالم
شوخی میں، شرارت میں، متانت میں چھپا ہے
جو راز کا عالم تھا وہی راز کا عالم

•

بہار آئی گُل افشانیوں کے دن آئے
اٹھاؤ سازِ غزل خوانیوں کے دن آئے
نگاہِ شوق کی گستاخیوں کا دور آیا
دلِ خراب کی نادانیوں کے دن آئے
نگاہِ حُسن خریداریوں پہ مائل ہے
متاعِ شوق کی ارزانیوں کے دن آئے
مزاجِ عقل کی ناسازیوں کا موسم ہے
جنوں کی سِلسِلہ جنبانیوں کے دن آئے

سروں نے دعوتِ آشفتگی کا قصد کیا
دلوں میں درد کی مہمانیوں کے دن آئے

چراغِ لالہ و گل کی ٹپک پڑی ہیں لویں
چمن میں پھر شررافشانیوں کے دن آئے

بہار باعثِ جمعیّتِ چمن نہ ہوئی
شمیمِ گُل کی پریشانیوں کے دن آئے

اُدھر چمن میں زرِ گُل لُٹا، اِدھر تاباںؔ
ہماری بے سروسامانیوں کے دن آئے

●

چمن میں کس نے کسی بے نوا کا ساتھ دیا
وہ بُوے گُل تھی کہ جس نے صبا کا ساتھ دیا
دیا جو ساتھ تو پھر کس بَلا کا ساتھ دیا
شکستِ غم نے ہر اک مُدّعا کا ساتھ دیا
فروغِ بادہ نے رنگِ حیا کا ساتھ دیا
غرض اُسی بُتِ کافر ادا کا ساتھ دیا
خیالِ یار ترا شکریہ رہِ غم میں
بس ایک تو نے دلِ مبتلا کا ساتھ دیا

نگاہِ شوق کے یہ حوصلے کوئی دیکھے!
کہ ہر نظارۂ صبر آزما کا ساتھ دیا
تجھے خبر بھی نہیں ہے کہ دل کی دھڑکن نے
کہاں کہاں تری آوازِ پا کا ساتھ دیا
دلِ خراب کی یہ سادہ لوحیاں، توبہ
جفا کے بعد بھی اہلِ جفا کا ساتھ دیا
اب اس سے آگے وہ مسجد، یہ مے کدہ تاباںؔ
یہاں تلک تو کسی پارسا کا ساتھ دیا

●

بھر آئی آنکھ تو اکثر کسی کے نام کے ساتھ
مگر وہ اشک جو چھلکا کیے ہیں جام کے ساتھ

فروغِ جلوۂ ساقی فروغِ جام کے ساتھ
چراغ جلتے ہیں کس حُسنِ اہتمام کے ساتھ

مہِ تمام کی باتیں مہِ تمام کے ساتھ
وہ رات ہو گئی منسوب ان کے نام کے ساتھ

قفس میں رہ کے بھی اکثر بہار کا دامن
نظر سے چُوم لیا ہم نے احترام کے ساتھ

چمن پہ سایۂ ابرِ بہار کیا کہیے
وہ زلف رُخ پہ بکھرتی ہے التزام کے ساتھ

وفا تو دولتِ ناموسِ غم لُٹا بیٹھی
ہوس کو ربط مبارک ہو ننگ و نام کے ساتھ

کوئی سمجھ نہ سکا رازِ دلبری تاباںؔ
یہ لطفِ خاص ہے اک شانِ انتقام کے ساتھ

●

ظالم وہ تری پہلی نظر یاد رہے گی
میں بھولنا چاہوں بھی مگر یاد رہے گی
اک قاتل و معصوم ادا نقش ہے دل پر
اک سادہ و پرکار نظر یاد رہے گی
ہونٹوں سے چھلکتا ہوا نازک سا تبسّم
تابندگیِ سلکِ گہر یاد رہے گی
برسات کا بھرپور سماں یاد رہے گا
زلفوں کی گھٹا تابہ کمر یاد رہے گی
تجدیدِ مراعات کے دلچسپ بہانے
ہر "پرسشِ غم بارِ دگر" یاد رہے گی

ہر روز مناتے تھے جہاں جشنِ ملاقات
وہ راہگذر راہگذر یاد رہے گی
آزردگیِ شوق پہ اک خاص ادا سے
تسکیں بہ اشاراتِ نظر یاد رہے گی
پابندیِ آدابِ محبّت پہ وہ اصرار
فہمایشِ دزدیدہ نظر یاد رہے گی
دل اپنی ہزیمت کو تو اب بھول چلا ہے
ہاں دوست تری فتح و ظفر یاد رہے گی

●

دولتِ فکرِ رسا طبعِ رواں پائی ہے
غالبؔ و میرؔ کی ورثے میں زباں پائی ہے

اتنی آساں تو نہ تھی کام و دہن کی تہذیب
مدّتوں تربیتِ پیرِ مغاں پائی ہے

کس کو ملتا ہے غمِ زیست سے دنیا میں فراغ
ہاں کبھی تیری جفاؤں میں اماں پائی ہے،

نازپروردۂ محرومی و حرماں ہے یہ دل
پرورش دیکھنا ظالم نے کہاں پائی ہے

جلوۂ حسنِ فراواں پہ بجا اُن کا غرور
ہم بھی نازاں ہیں کہ چشمِ نگراں پائی ہے

ایک آشوبِ تمنّا پہ نہیں کچھ موقوف
دل نے ہر رنگ میں تعلیمِ زیاں پائی ہے

کل جو تاباںؔ کے انھیں شعر سنائے تو کہا
ہائے کمبخت نے کیا طرزِ بیاں پائی ہے

●

اُس شوخ کی ناوک فگنی میرے لیے ہے

وہ کم نگہی، کم سخنی میرے لیے ہے

در پردہ مگر سحر فنی میرے لیے ہے

ہر کوششِ تمکیں شکنی میرے لیے ہے

اک سروِ خراماں کو بھی مانگے ہے تمنّا

آشوبِ چمن خوش چمنی میرے لیے ہے

غیروں کے لیے حُسنِ کرم حُسنِ نوازش

اک طرزِ جفا ہے کہ بنی میرے لیے ہے

اے دوست بڑھے اور تری بزم کی رونق
کافی مری خود انجمنی میرے لیے ہے

غم اور بھی پائے ہیں ترے غم کے علاوہ
فطرت بھی تری طرح غنی میرے لیے ہے

یا زحمتِ عیسیٰ نفسی میرے لیے تھی
یا شیوۂ بیداد فنی میرے لیے ہے

اس دورِ فراغت میں بھی قسمت ہے بدستور
تاباںؔ غمِ تشنہ دہنی میرے لیے ہے

●

وابستہ آرزوئے نظر ہے تمھارے ساتھ
شب ہے ہمارے ساتھ سحر ہے تمھارے ساتھ

شعلہ ہو تم ہجومِ شرر ہے تمھارے ساتھ
یعنی جلوس شمس و قمر ہے تمھارے ساتھ

یوں تو ہمیں تھی ہمرہیِ خضر بھی نصیب
دل نے کہا کہ لطفِ سفر ہے تمھارے ساتھ

رنگِ چمن، نگارِ خمستاں، فروغِ دیر
ہر منظرِ حیات اثر ہے تمھارے ساتھ

اللہ رے یہ حسن کی جادو خرامیاں
جنبش میں جیسے راہگذر ہے تمھارے ساتھ

وابستہ تم سے صبحِ بہاراں کی آبرو
بادِ شمال و نورِ سحر ہے تمھارے ساتھ

تاباںؔ کو یوں تو اور بھی دیتے ہیں دادِ شعر
مخصوص لطفِ عرضِ ہنر ہے تمھارے ساتھ

●

آج کسی نے باتوں باتوں میں جب اُن کا نام لیا
دل نے جیسے ٹھوکر کھائی، درد نے بڑھ کے تھام لیا

گھر سے دامن جھاڑ کے نکلے، وحشت کا سامان نہ پوچھ
یعنی گردِ راہ سے ہم نے رختِ سفر کا کام لیا

دیواروں کے سائے سائے عمر بِتائی دیوانے
مفت میں تن آسانیِ غم کا اپنے سر الزام لیا

راہِ طلب میں چلتے چلتے تھک کے جب ہم چُور ہوئے
زلف کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے پل دو پل آرام لیا

ہونٹ جلیں یا سینہ سلگے کوئی ترس کب کھاتا ہے
جام اُسی کا جس نے تاباںؔ جرأت سے کچھ کام لیا

دل نہ ہو خون تو اے اہلِ ہنر عرضِ ہنر
بے محل باد فروشی کے سوا کچھ بھی نہیں
کوئی منزل ہے تری اور نہ کہیں تیرا پڑاو
زندگی خانہ بدوشی کے سوا کچھ بھی نہیں

ق

عقل کہتی ہے حوادث سے بچانا دامن
عشق ہنگامہ فروشی کے سوا کچھ بھی نہیں
عشق کہتا ہے نہ کر قلب و نظر کی توہین
آگہی حلقہ بگوشی کے سوا کچھ بھی نہیں

عشق نے شوخیِ انداز سکھائی ورنہ
دلبری زلف بدوشی کے سوا کچھ بھی نہیں
محفلِ دوست میں تابانیٔ نگہہِ کرم کا جواب
رازدارانہ خموشی کے سوا کچھ بھی نہیں

●

لب پہ ہنسی جو آئی حیا اور بڑھ گئی
اللہ رے درگذر کہ سزا اور بڑھ گئی

ربِّ بہار رکھ لے مری وحشتوں کی شرم
آوارگیِّ بادِ صبا اور بڑھ گئی

اہلِ وفا سے رنجشِ بے جا کے ساتھ ساتھ
اہلِ ہوس کی مدح و ثنا اور بڑھ گئی

ق

جولانگہِ بشر ہے سوادِ مہ و نجوم
کرنے کو سیر کچھ تو فضا اور بڑھ گئی

کچھ اعتبارِ دیدہ وری اور بڑھ گیا
کچھ آبروے فکرِ رسا اور بڑھ گئی

شاہد ہے وقت ہر ستمِ ناروا کے بعد
ہمّت جنوں کی نامِ خدا اور بڑھ گئی

تاباں دلِ خراب ہے اب اور ہجومِ یاس
ترکِ جفا سے اُن کی جفا اور بڑھ گئی

●

ناصحو، راہ نوردانِ طلب ہیں یہ لوگ
فکرِ فردا نہ غمِ دوش عجب ہیں یہ لوگ

خلوتِ خاص میں جو ہم ہیں وہی واعظ و شیخ
مجمعِ عام میں گو پند بلب ہیں یہ لوگ

اہلِ مسجد سے کراماتِ مغاں کیا کہیے
ناشناسِ مقاماتِ ادب ہیں یہ لوگ

نامناسب ہے یہ رندوں سے تغافل ساقی
تیرے مے خانے کی شہرت کا سبب ہیں یہ لوگ

تیرے سائل کبھی تجھ سے بھی نہ کر پائے سوال
کتنے پابندِ رہ و رسمِ طلب ہیں یہ لوگ
ناخداؤں پہ اگر چھوڑ دی کشتی تاباںؔ
ڈوب ہی جائے گی الیاس لقب ہیں یہ لوگ

•

دل وہ کافر کہ سدا عیش کا ساماں مانگے
زخم پا جائے تو کمبخت نمکداں مانگے

لطف آئے جو کوئی سوختہ سامانِ بہار
خالقِ رنگ سے پھر شعلۂ عریاں مانگے

حسرتِ دید سرِ بام تماشا چاہے
عشقِ بیتاب سرِ طور چراغاں مانگے

رات زلفوں سے کرے شوخ اندھیرں کا سوال
روشنی لوحِ جبیں سے مہِ تاباں مانگے

کم نگاہی کا تقاضا ہے کہ پھر جرأتِ شوق
خود تری شوخیِ انداز سے عنواں مانگے

اک چراغ اور سرِ رہگزرِ باد سہی
چار تنکوں کے لیے کون گلستاں مانگے

دستِ وحشت کے کوئی حوصلے دیکھے تاباںؔ
جب بھی مانگے تو اسی شوخ کا داماں مانگے

●

زُلف اڑتی ہوئی رخسارِ فروزاں کے قریب
رات دیکھا تھا دھواں سایۂ تاباں کے قریب
فصلِ گل آئی ہے پھر برقِ نشیمن سے کہو
اک چراغ اور جلے گنجِ چراغاں کے قریب
تشنہ کاموں کو خبر دو کہ مرے ساقی نے
مے کدہ کھول دیا گلشنِ مژگاں کے قریب
اور کچھ اور بڑھا ربطِ جفا حُسن کے ساتھ
اور کچھ اور ہوئے ہم غمِ دوراں کے قریب

بزم میں شعلۂ آواز بھڑک اُٹھّا تھا
برق رقصاں بھی کسی شوخِ غزل خواں کے قریب

رہروِ شوق کو کچھ اس کی خبر ہے کہ نہیں
منزلِ درد بھی ہے منزلِ جاناں کے قریب

حوصلہ دیکھ لیا وحشتِ دل کا تاباں
جیب و دامن بھی تھے کمبخت گریباں کے قریب

●

دلِ تباہ نے اک تازہ زندگی پائی
تمھیں چراغ ملا ہم نے روشنی پائی

ترے خیال سے فرصت اگر کبھی پائی
بھری بھری سی یہ دنیا تہی تہی پائی

ستم بھی تیرے تغافل کو سازگار آیا
وفا کی داد بھی ہم نے کبھی کبھی پائی

نکھر گئے ہیں پسینے میں بھیگ کر عارض
گلوں نے اور بھی شبنم سے تازگی پائی

سحر سے مل تو گیا سِلسلہ اُجالے کا
حیاتِ شمع نے کہنے کو عارضی پائی

کبھی جو یادِ خراباتِ آرزو آیا
غمِ حیات کی تلخی میں کچھ کمی پائی

درِ حرم سے تو جو کچھ ملا، ملا تاباں
درِ مغاں سے بھی پائی تو تشنگی پائی

●

عشق میں بیگانۂ جذب و اثر ہو جائیے
کم سے کم اپنی نظر میں معتبر ہو جائیے
توڑ دیجے بندشِ صحن و روش مثلِ صبا
شوق کہتا ہے سراپا بال و پَر ہو جائیے
جادۂ غم میں کسی کا نقشِ پا بن جائیے
اس قدر مِٹیے چراغِ رہ گذر ہو جائیے
عقل والوں کی ہنسی کا اِس سے بہتر کیا جواب
دربدر ہو جائیے آوارہ تر ہو جائیے

ہائے دل مانگے ہے پھر عہدِ تغافل کے مزے

پھر بُھلا دیجے ہمیں پھر بے خبر ہو جائیے

ہر نظر بے تاب پردے چاک کرنے کے لیے

ہر نفس کو ضد نوائے کارگر ہو جائیے

حضرتِ تاباںؔ تماشے کی ہوس کے باوجود

محفلِ خوباں میں محتاطِ نظر ہو جائیے

●

کوئی منزل نہ کوئی راہگذر ساتھ چلی
اپنی قسمت کی وہی گردِ سفر ساتھ چلی

اب وہ تنہا رویِ شوق کی لذّت بھی گئی
ہائے اک شوخ کی دزدیدہ نظر ساتھ چلی

چند تنکوں کی تھی پھر خانہ خرابوں کو تلاش
مسکراتی ہوئی اک موجِ شرر ساتھ چلی

خیر اتنا تو کیا نکہتِ برباد کا پاس
چھوڑ کر دامنِ گل بادِ سحر ساتھ چلی

راہ میں کتنے رفیقانِ سفر چھوٹ گئے
دور تک یادِ رفیقانِ سفر ساتھ چلی

صحنِ گلشن سے چلا قافلۂ گل تا باں
بلبلِ سوختہ جاں پھونک کے گھر ساتھ چلی

●

بہ قدرِ ظرف انجمن میں سب کو جام مل گیا
نظر اٹھی کہ مے کشی کا اذنِ عام مل گیا

وہ بال و پر کی شورشیں جو زندگی کے ساتھ ہیں
کبھی کبھی انھیں سکوں بھی زیرِ دام مل گیا

چراغِ دل کی روشنی کو شوخیِ جنوں کہا
بجھے ہوئے چراغ کو خرد کا نام مل گیا

ادا ادا میں اک لطیف احتیاط آ گئی
مری وفا کا غالباً انھیں پیام مل گیا

یہ مے کدے کا راز ہے مغاں کو جس پہ ناز ہے
طلب کو پیاس مل گئی، ہوس کو جام مل گیا
وہ تیرا درد تھا جو شعر بن کے لب پہ آگیا
وہ تیری بات تھی جسے غزل کا نام مل گیا
رسائی گرچہ ہو نہ پائی محفلِ خواص تک
مگر مرے کلام کو قبولِ عام مل گیا

•

دادِ بھی فتنۂ بیدادِ بھی قاتل کی طرف
بے گناہی کے سوا کون تھا بسمل کی طرف

منزلیں راہ میں تھیں نقشِ قدم کی صورت
ہم نے مڑ کر بھی نہ دیکھا کسی منزل کی طرف

مقتلِ ناز سے گزرے تو گزرنے والے
پھول کچھ پھینک گئے دامنِ قاتل کی طرف

جھلملاتے نہیں بے وجہ تو محفل کے چراغ
اک نظر دیکھ تو لو صاحبِ محفل کی طرف

کتنی بے کیف ہیں ساحل کی فضائیں یارب
کوئی طوفان کا رخ موڑ دے ساحل کی طرف

یاد آتا ہے وہ اندازِ تجاہل اے دوست
بات اوروں سے، مگر روئے سخن دل کی طرف

ذکر آیا تھا حیاتِ ابدی کا تاباں
لوگ کیوں تکنے لگے کوچۂ قاتل کی طرف

●

مری نظر سے نہ دیکھو مجھے خدا کے لیے
بڑی کٹھن ہے یہ منزل مری وفا کے لیے
چمن میں عمر گزاری مگر صبا کی طرح
ترس گئے ہیں کسی دردآشنا کے لیے
طلب کی راہ تھی دشوار دُور منزل تھی
قدم قدم پہ سہارے تری جفا کے لیے
کبھی کبھی تو کسی کے غرور کا دامن
مچل گیا ہے مرے دستِ نارسا کے لیے

وفورِ شوق نے آوارہ کر دیا ورنہ
صبا چمن کے لیے ہے، چمن صبا کے لیے

حرم سے توڑ کے ہر ربطِ زندگی تاباںؔ
ہوئی ہے وقف جبیں ایک نقشِ پا کے لیے

•

کسی کی سعیِ کرم رائیگاں مگر جائے
وفا وہ گُل ہے جو بادِ سحر سے ڈر جائے

حیات کہیے کہ طوفانِ آرزو کہیے
اُٹھے جو موج، تو سر سے گزر گزر جائے

ہر ایک موڑ پہ جلتے ہیں منزلوں کے چراغ
تھکا ہوا یہ مسافر، کدھر کدھر جائے

خطا معاف، یہ جلوہ بھی کوئی جلوہ ہے
کبھی تو شوق کا دامن گلوں سے بھر جائے

نظارے اور بھی ہیں عارض و جبیں کے سوا
اٹھاؤ سر کہ ذرا دور تک نظر جائے

کہاں وہ ظرف جو لازم ہے تشنگی کے لیے
یہ مے کدہ تو سنورنے کو کل سنور جائے

جفائے دوست کہ آلامِ زندگی تاباںؔ
ہمارے قتل کا الزام کس کے سر جائے

•

تمام عمر کٹی ایک بے نوا کی طرح
چمن میں خاک اڑاتے پھرے صبا کی طرح

چراغِ حسرتِ پابوس کا جلائے ہوئے
تمھاری راہ میں ہم بھی ہیں نقشِ پا کی طرح

دلوں کا درد کبھی لب پہ آہی جاتا ہے
کسی پکار کی صورت، کسی صدا کی طرح

نشانِ راہ نہ پایا تو دشتِ غربت میں
ہم اپنی راہ بناتے چلے ہوا کی طرح

غمِ شکست نے ہر ہر قدم پہ ساتھ دیا
کسی رفیق، کسی دردآشنا کی طرح
الٰہی! غم کی ہوائیں کسی کے دامن تک
پہنچ نہ پائیں، مرے دستِ نارسا کی طرح

خوشی کا نام تو اکثر سُنا کیے تاباںؔ
مگر وجود نہ پایا کہیں، ہُما کی طرح

•

کوئی حریفِ غمِ رہ گذر ملے نہ ملے
ہماری طرح خرابِ سفر ملے نہ ملے
جفا کا دور ہے، غم کو اثر ملے نہ ملے
جبیں جھکے نہ جھکے، سنگِ در ملے نہ ملے
غبارِ راہ چلا ساتھ، یہ بھی کیا کم ہے
سفر میں اور کوئی ہم سفر ملے نہ ملے
جَلا سکو تو جلاؤ تم آرزو کے چراغ
سحر کی راہ نہ دیکھو، سحر ملے نہ ملے

خرد رقیبِ تماشا ہے، دل رہینِ جمال
وہ کش مکش ہے سکوں عمر بھر ملے نہ ملے

ہوس کو جلوۂ بارِ دگر کا شوق سہی
نظر کو فرصتِ بارِ دگر ملے نہ ملے

پیامِ درد بھی تاباںؔ بہت غنیمت ہے
نہ جانے دل کی کبھی پھر خبر ملے نہ ملے

•

اہلِ سفر کو خوب جزائے سفر ملی
ہر رہ گذر کے بعد نئی رہ گذر ملی

جو شے بھی اُن کے در سے ملی خوب تر ملی
غمِ جاں گُسل ملا ہے، وفا بے اثر ملی

پُرسانِ حال کون تھا غربت کی راہ میں
ہاں اک تمہاری یاد کہ ہر موڑ پر ملی

کچھ کہہ دیا تھا اُن سے دلِ ناشکیب نے
اتنا تھا جرم جس کی سزا عمر بھر ملی

ہر تازہ اہتمامِ تغافل کے باوجود
کیا کیا نہ بزمِ دوست میں دادِ نظر ملی

جذبات کے ہجوم میں الفاظ کھو گئے
اظہارِ مدّعا کی اجازت اگر ملی

تاباںؔ سخن کی راہ میں دل خون کر دیا
آساں کہیں ستایشِ اہلِ ہنر ملی

●

نظمیں

؟

جب سکوتِ شام میں اک نغمگی سی پاؤ گی
تم بھی اپنی زندگی میں کچھ کمی سی پاؤ گی

پی کہاں پیدا کرے گی جب فضا میں ارتعاش
زندگی کے ساز میں اک برہمی سی پاؤ گی

جھوم کر چھا جائے گی ساون کی جب کالی گھٹا
ان حسیں آنکھوں میں تم کچھ کچھ نمی سی پاؤ گی

بے سبب پژمردہ پژمردہ رہو گی رات دن
بے سبب دل چسپیوں میں تم کمی سی پاؤ گی

ایک لذت سی ملے گی داستانِ ہجر میں
غم کے افسانوں میں طرفہ دل کشی سی پاؤ گی
ہُوک سی دل میں اُٹھے گی سن کے کوئل کی صدا
میٹھے نغموں میں بھی غم کی چاشنی سی پاؤ گی
دیکھ کر رنگ چمن دل کی کلی مرجھائے گی
تم بہاروں میں بھی اک افسردگی سی پاؤ گی
جب کبھی بھُولے سے دل میں یاد آئے گی مری
گرم پیشانی پہ تم کچھ کچھ نمی سی پاؤ گی
جب کسی اخبار میں دیکھو گی تم میرا کلام
آنکھ میں آنسو، مگر دل میں خوشی سی پاؤ گی

•

سحر

سحر ہونے کو ہے خوابیدہ فطرت جاگ اٹھے گی
جوانی جاگ اُٹھے گی، محبت جاگ اٹھے گی
کسی مجبور کی آنکھوں میں آنسو جاگ جائیں گے
کسی مایوس کے سینے میں حسرت جاگ اٹھے گی
کسی خوش ذوق بادہ کش کی رِندی جاگ جائے گی
کسی خوش فکر شاعر کی طبیعت جاگ اٹھے گی
افق کی گود میں انگڑائیاں لے گی سحر تابی
نمودِ حسنِ رنگ و بُو کی صورت جاگ اٹھے گی

چمن بیدار ہو جائے گا بلبل کے ترانوں سے
ہوا کی چھیڑ سے پھولوں کی نکہت جاگ اٹھّے گی
فضا سے سرد ظلمت دُور ہو جائے گی اے ہمدم
ضیائیں جاگ اٹھّیں گی، تمازت جاگ اٹھّے گی
سحر کی خوبیاں برحق، مگر تاباں یہ ڈرتا ہوں
کہ کچّی نیند سے وہ ماہ طلعت جاگ اٹھّے گی

●

پس منظر

وہی دنیا وہی دستورِ دنیا
وہی فرسودہ قدروں کی سیاست
وہی گل چیں، وہی دانہ، وہی دام
وہی زندانیِ غم آدمیّت
وہی مجبوریوں کا اک فسانہ
وہی پابندیوں کی اک حکایت
وہی سنگیں جمودِ زندگانی
وہی انساں، وہی قیدِ مشیّت
وہی افلاسِ ذہنی کے مظاہر
وہی ہر بات میں رنگِ قدامت

وہی احساس پر نشّہ سا طاری
وہی ادراک پر چھائی سی غفلت
وہی اخلاق کے بے رُوح قانون
وہی تہذیب کی مُردہ شریعت
وہی ماحول کی بھاری سلاسل
وہی جاں کاہ احساسِ ہزیمت
وہی بھڑکے ہوئے شعلے ہوس کے
وہی شعلوں کی زد پر آدمیّت
یہ پس منظر ہے تا بابِ زندگی کا
اور اس پر خواہشِ عیش و مسرّت!

•

سوچتا ہوں

رات کے دامن میں ظلمت بھی مہ و پروین بھی
شامِ غم سے مل گئیں صبحِ مسرّت کی حدیں
کون جانے میری منزل، تیرگی یا روشنی
ٹوٹتے تاروں سے کھیلوں یا سحر کو ساز دوں
عشرتِ بزمِ شبستاں، تلخیِ کارِ جہاں
موت کو آواز دوں یا زیست کو آواز دوں
زندگی میرے لیے ہے نیش بھی اور نوش بھی
باعثِ آرایشِ محفل ہے یہ حُسنِ تضاد
عشق کا سوزِ دروں بھی، حُسن کی آغوش بھی

●

پہاڑی گیت

دور وادی میں کوئی گیت کسی نے چھیڑا
تند آواز اٹھی، گونجی، فضا میں بکھری
تند۔ جس طرح اُبلتا ہے پہاڑی چشمہ
گونجتا۔ سنگِ گراں بار سے ٹکراتا ہوا

اپنے اسلاف کی عظمت کہ زمانے کا گلہ
شومیِ بخت کہ ابنائے وطن کا شکوہ
ڈیڑھ سو سال کی مجہول سیاست کے نقوش
(کس طرح اجنبی ہاتھوں نے کیا ہے تاراج
یہ چمن زار یہ پُرکیف بہاروں کا وطن)

یا کوئی منظرِ رنگیں۔ کوئی رودادِ عجیب
کسی دوشیزۂ کہسار کا افسانۂ عشق
کون بتلائے کہ اس گیت کا موضوع ہے کیا!

●

ایشیا

یہ میں نے کیا کہا ہمدم کہ رات ختم ہوئی
مگر اُفق پہ چمکتا ہے صبح کا تارا
پلی تھی تیرگیِ یاس جن کے دامن میں
وہی فضائیں ہیں نورِ عمل کا گہوارا
وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے آج مشرق میں
جو انقلاب کہ کل تک فقط تھا اک نعرا
بھڑک کے شعلۂ جوّالہ بن گیا آخر
دَبا ہوا تھا تہِ خاک کوئی انگارا

رگوں میں کھولتا لاوا ۔ نگاہ میں بجلی
چڑھا ہوا ہے مزاجِ عوام کا پارا
ملوکیت کی ہوں یا قومیت کی دیواریں
نہ رُک سکے گا کسی سے یہ تیز رو دھارا
جو کرتے آئے غلاموں کے خوں سے گُلکاری
لہو سے اُن کے ہے رنگین ایشیا سارا
ادھر تو دیکھ خزاں کا وہ دور ختم ہوا
چمن چمن ہے بہاروں کا شوخ نظّارا
سوادِ مرگ میں آخر حیات ڈھونڈھ ہی لی
گناہگاروں نے راہِ نجات ڈھونڈھ ہی لی

●

دیوالی

وقارؔ! روح کے تاروں کو کیوں چھوا تم نے
تمھاری نظم "دوالی" بہت ہی اچھی ہے
مگر— یہ رات کی گردن میں دیپ مالائیں
سیاہیوں میں اُجالے کے بدنما دھبّے
غریب حبشی کو جیسے جذام ہو جائے
یہ ٹمٹماتے دیے
یہ ٹمٹماتے دیے صبح کا بدل تو نہیں

میں سوچتا ہوں کہ اس رات چین و برما میں

کسی محاذ پہ کتنے دیے جلے ہوں گے
جوان خون کی ہر بُوند اک کرن بن کر
اک ایسی صبح کی تشکیل کر رہی ہو گی
ہزار صدیوں کی تاریک و تیرہ راتوں میں
بنی رہی ہے جو انساں کے خواب کا مرکز
وہ صبح دُور نہیں
اندھیری رات کے سینے سے نُور کا چشمہ
اُبلنے والا ہے

یہ ٹمٹماتے دیے — لکشمی کے چرنوں میں

•

سبھی نے حُسنِ عقیدت کے پھول ڈالے ہیں
وہ جن کو لکشمی دیوی سے قربِ خاص نہیں
گھروں میں اپنے بھی دیپک جلائے بیٹھے ہیں
شکستہ جھونپڑیوں کو سجائے بیٹھے ہیں
کہ اس طرف بھی عنایت کی اک نظر ہو جائے
شکستہ جھونپڑیوں ــــ ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں
کبھی بھی لکشمی دیوی نہ مسکرائے گی
کبھی بہار نہ اُن کے چمن میں آئے گی
اگر وہ خود ہی نظامِ چمن نہ بدلیں گے

سیاہیوں کے نمائندے ــــ رات کے بیٹے

ہمارے فکر و تخیّل کو باندھنے کے لیے
توہّمات کی زنجیریں ڈھال لیتے ہیں
کبھی دوالی کبھی شب برات آتی ہے

●

جیل میں کسی کا خط پا کر

فصلِ بہار میں بھی اسیرِ قفس ہوں میں
گلزار کی فضا کو مرا انتظار ہے
رنگِ فریب کوش کو ہے میری جستجو
بُوے گریز پا کو مرا انتظار ہے
تکتے ہیں میری راہ خیابانِ کیف خیز
دشتِ جنوں فزا کو مرا انتظار ہے
جیسے فسردہ ہو گئی بزمِ صدا و ساز
یارانِ خوش نوا کو مرا انتظار ہے

سُونے پڑے ہیں منبر و محرابِ مے کدہ
رندانِ باصفا کو مرا انتظار ہے

ہے یوں کہ غم کے گہرے اندھیرے میں آج بھی
اک اخترِ وفا کو مرا انتظار ہے

یہ اور بات ہے کہ وہ منہ سے نہ کہہ سکے
اُس پیکرِ حیا کو مرا انتظار ہے

ہیں میرے انتظار میں گیسوے شام خیز
چشمِ سحر نما کو مرا انتظار ہے

اب بھی کھُلا ہے بابِ ارم میرے واسطے
اب بھی مرے خدا کو مرا انتظار ہے

●

ایک نظم

یہ حکم بارگہِ عشق سے ملا تاباں
فریبِ لطف نہ کھا اس کی انجمن سے گزر
دلوں کا سوز نواؤں کو ساز دیتا ہے
جہاں خلوص نہ ہو منّتِ سخن سے گزر
وفا کی بُو ہے گُلوں میں نہ اعتبار کا رنگ
اسیرِ وہمِ بہاراں نہ ہو، چمن سے گزر
ذرا اٹھا تو زمانے کی تیز دھوپ کا لطف
گزر بھی سایۂ گیسوئے پُرشکن سے گزر

کہاں نصیب چمن میں فراغتِ صحرا
جنوں میں صحبتِ نسرین و نسترن سے گزر

یہ موت ہے کہ تو اک آستاں کا ہو جائے
وہ زندگی ہے کہ ہر دشت ہر دمن سے گزر

یہی روایتِ کنعانِ عشق ہے اے دوست
کہ آزمایشِ صد بوئے پیرہن سے گزر

نہ ہو کہیں ترا پندارِ عاشقی مجروح
فغانِ شوق کی رسم و رہِ کہن سے گزر

مقامِ ہجر ہو یا منزلِ وصالِ حبیب
جہاں کہیں سے گزر اِک بانکپن سے گزر

●

تاشقند

شہرِ خوباں ہے یہی، شہرِ نگاراں ہے یہی
دوستو، مجمعِ ترکانِ حسیں تو دیکھو
میرا ذمّہ، جو کبھی جائے نظر سوئے فلک
دیکھنے والو، مہ و مہرِ زمیں تو دیکھو
سادگی ہائے در و بام پہ طنزاً نہ ہنسو
ان مکانوں کے طرحدار مکیں تو دیکھو
جن پہ زندانیِ حالات کا کرتے ہو گماں
اُن کے چہروں پہ ذرا نورِ یقیں تو دیکھو

تاج پر سایہ فگن جیسے گھٹا ساون کی
زلف کی چھانو میں تابندہ جبیں تو دیکھو
وہ ضیائیں ہیں کہ خود طور کرے کسبِ فروغ
دورِ رندانِ خراباتِ نشیں تو دیکھو

دستِ محنت نے تراشے ہیں بتانِ صدرنگ
آؤ یہ رشکِ صنم خانۂ چیں تو دیکھو
گلعذاروں کا، بہاروں کا وطن ہے قابا
تم بھی دنیا کی یہ فردوسِ بریں تو دیکھو

•

چاند اور میں

دلِ شاعر کی طرح چاند بھی ویران سہی
چاندنی اب بھی شبِ غم کو نکھارے گی ضرور
رات بھیگے گی تو مہکی ہوئی پُر نور فضا
ایک بے نام سا مے خانہ سنوارے گی ضرور
چودھویں رات میں یادوں کی سجے گی محفل
آرزو، عہدِ گذشتہ کو پکارے گی ضرور

چاند کی چھاؤں میں دل اب بھی خوشی پائے گا
چاندنی رات میں ارمان کھلیں گے اب بھی

جلوۂ ماہ سے بڑھ جائے گی دل کی دھڑکن
لب پہ اک شوخ کے پیمان کھلیں گے اب بھی
رُوح کے زخم کسی باغ کے پھولوں کی طرح
نور برسے گا تو ہر آن کھلیں گے اب بھی

چاند سے اب بھی مرے دل کو وہی ہے نسبت
چاندنی رات میں کچھ درد سوا ہوتا ہے
جگمگاتے ہوئے لمحات میں پاتا ہے فروغ
جذبۂ شوق کہ پابندِ وفا ہوتا ہے
چاند کی سطح پہ ہوتا ہے نگاہوں کا وصال
اُن کی دوری میں بھی قربت کا مزا ہوتا ہے

چاند سے اب نہ حکایت، نہ فسوں کا رشتہ
چاند صحرا ہے تو ظاہر ہے جنوں کا رشتہ

●

قطعے

مرا تو خیر ذکر کیا کہ خوگرِ شکست ہوں
مگر ترے غرور و نازِ دلبری کو کیا ہوا
سروں کے ساتھ دل بھی جھک گئے تھے جس کے سامنے
میں سوچتا ہوں اُس ادائے خودسری کو کیا ہوا
بلاکشانِ عشق کے وہی ہیں اب بھی حوصلے
نہ جانے آج دعویٔ ستم گری کو کیا ہوا
کہاں گئے وہ عشوہ و ادا و ناز کے صنم
خدایا، حُسن کی سرشتِ آزری کو کیا ہوا
ادائے دل رُبا کی پختہ کاریاں کدھر گئیں
نگاہِ دل فریب کی ہُنروری کو کیا ہوا
عدوئے جان و دین و شوق اور وفا پرستیاں!
کوئی بتائے آبروئے کافری کو کیا ہوا

•

صبا پیامِ دیارِ حبیب سے لائی
جبینِ شوق کو پھر آستاں نے یاد کیا
چمن میں قطرۂ شبنم کی آبرو کیا تھی
زہے نصیب، شہِ خاوراں نے یاد کیا
وہ چار تنکے جنھیں ننگِ گلستاں کہیے
انھیں بھی آج تو برقِ تپاں نے یاد کیا
وبالِ دوشِ جنوں تھا جو کل، اُسی سر کو
ادا و ناز کی تیغِ رواں نے یاد کیا
بہت دنوں میں کھلے ہیں مری وفا کے نصیب
بہت دنوں میں کسی مہرباں نے یاد کیا

•

نذرِ گگارن

کُھلی فضاؤں میں اُڑنا ابھی تو سیکھا ہے
ابھی نہ جانے کہاں تک یہ تیز پر جائے
خدا کرے تجھے پروازِ شوق راس آئے
چمن کی قید سے مثلِ صبا گزر جائے
یہ دَور، دورِ سعادت ہے آدمی کے لیے
کہ ایک خاک نشیں بامِ عرش پر جائے
دیارِ شمس و قمر کا سفر مبارک ہو
جہاں بھی جائے جلو میں ترے ظفر جائے
یہ معجزہ بھی جنوں نے دکھا دیا تاباںؔ
جہاں نظر بھی نہ پہنچے، وہاں بشر جائے

•

چند شعر

(پنڈت جواہر لال نہرو کے انتقال پر)

پھول رنجیدہ، صبا غمگیں، چمن افسردہ ہے
آج تاباںؔ، انجمن کی انجمن افسردہ ہے

ایک دیوانہ تھا وہ بھی اپنے رستے چل دیا
سوگ میں ڈوبا ہے صحرا اور بن افسردہ ہے

جس کے دم سے وادیِ گنگ و جمن میں تھی بہار
اُس کے غم میں وادیِ گنگ و جمن افسردہ ہے

دفعتہً دیر و حرم پر ایک حسرت چھا گئی
شیخ کی آنکھوں میں نم ہے، برہمن افسردہ ہے

صدرِ محفل اُٹھ کے اِس محفل کو سُونا کر گیا
غم برستا ہے فضاؤں سے، وطن افسردہ ہے

•

نذرِ غالب

نوا سنجی میں ظالم نے وہ اندازِ رسا پایا
کہ اب تک اس کا نغمہ بزم میں ہنگامہ آرا ہے
زباں پر جو سخن آیا وہ شرحِ زندگی ٹھہرا
اس اندازِ تکلم پر ہُنر کو ناز کیا کیا ہے
نفس کی گرمیوں سے جان سی ڈالی ہے لفظوں میں
نظر کی شوخیوں نے فکر کو آئینہ بخشا ہے
ادب کی اس نے اپنے خونِ دل سے آبیاری کی
اُسی کے دم سے گلشن آج اُردوے معلّٰے ہے
کیا ہے شاعری کو رشکِ پیغمبری اُس نے
مگر دیوانِ غالب بھی اک الہامی صحیفا ہے
زباں پر آگیا بیساختہ اقبال کا مصرع
"چمن میں دیدہ ور پیدا بڑی مشکل سے ہوتا ہے"

"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

چند شعر

۱ (ڈاکٹر ذاکر حسین کے انتقال پر)

نسیم بن کے وہ آیا، شمیم بن کے گیا
چمن کو جس پہ بڑا افتخار تھا، نہ رہا
کسے خبر ہے گل و یاسمن پہ کیا گزری
کہ ایک رمز شناسِ بہار تھا، نہ رہا
ہے یوں کہ قطرۂ شبنم کی طرح پاکیزہ
ابھی یہیں وہ دُرِ شاہوار تھا، نہ رہا
نہ راس آیا جسے کچھ بھی تشنگی کے سوا
عجیب شان کا اک بادہ خوار تھا، نہ رہا
ہر ایک درد کا درماں ہی ہی زمانے میں
مگر یہ درد کہ اک غم گسار تھا، نہ رہا
وہ مر گیا ہے کہ اک دورِ مرگیا تاباں
زمانِ شوق کی اک یادگار تھا، نہ رہا

•